سر ظفر اللہ خان کے پاکستان پر ''احسانات''

ڈاکٹر محمد عمر فاروق

سر ظفر اللہ خان ماضی کی ایک نامور شخصیت تھے۔ جنھوں نے برطانوی دورِ حکومت میں ایک مخصوص پلیٹ فارم سے فعال کردار ادا کیا۔ پاکستان بنا تو وہ ملک کے پہلے وزیر خارجہ مقرر ہوئے۔ ان کی یادداشتوں کے حوالے سے ۲۳/اپریل کے روزنامہ ''پاکستان'' میں جناب خالد حسن نے قلم اٹھایا ہے۔ ان کے تحریر کردہ بعض جملہ ہائے معترضہ پڑھ کر ہی رہوارِ قلم کو جنبش دینے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ جناب خالد حسن نے اپنے کالم میں سر ظفر اللہ خان کی پاک دامنی اور عبادت گزاری کا ذکر کیا ہے، لیکن اسی کالم میں ان کے بیان کردہ مخرب اخلاق لطائف سے سر ظفر اللہ خان کی اصل شخصیت سے نہ چاہتے ہوئے بھی پردہ اٹھ ہی جاتا ہے۔ ہمیں فی الوقت سر ظفر اللہ خان کی ذاتی زندگی کی بجائے ان کے سیاسی کردار کا تجزیہ کرنا مقصود ہے، کیوں کہ جناب خالد حسن نے پاکستانی قوم سے یہ گلہ کیا ہے کہ ہم بحیثیت قوم سر ظفر اللہ خان کی قیام پاکستان سے پہلے اور بعد کی خدمات اس لیے تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہیں کہ ان کا تعلق ''احمدیہ فرقہ'' سے تھا۔ حالانکہ پاکستانی قوم نے کبھی غیر مسلم شخصیت کی خدمات سے اس لیے صرفِ نظر نہیں کیا کہ وہ مخصوص مذہبی نظریات رکھتی ہے، جس کی ایک بڑی مثال جسٹس کارنیلس (عیسائی) کی ہے، جن کی اصول پسندی، بے غرضی اور بے طمعی کو سراہنے میں آج بھی کسی پاکستانی کو کچھ بھی تامل نہیں ہے۔ اسی طرح بے شمار غیر مسلم پاکستانیوں کے کارناموں پر اب تک انھیں تمغوں، اعزازات اور اسناد سے نوازنے کی روایات جاری ہیں۔ حیرت ہے کہ جناب خالد حسن جیسے دانشور نے تجاہل عارفانہ کا ثبوت دیتے ہوئے ایسی غیر دانشمندانہ بات لکھ کر پاکستانی قوم کی توہین کی جسارت کا ارتکاب کیا ہے۔

ہمیں تسلیم ہے کہ سر ظفر اللہ خان کی پاکستان کے لیے ''خدمات'' اور ''احسانات'' کا دائرہ بے حد وسیع ہے، جنھیں اس مختصر مضمون میں گنوانا ممکن نہیں ہے۔ البتہ نمونے کے طور پر ان کے کارناموں کی روداد پڑھنے سے پہلے یہ ملحوظ رہے کہ سر ظفر اللہ خان کا خمیر برطانوی استعمار سے تخلیق ہوا تھا، اسی لیے انھوں نے اپنے بال سفید آقاؤں کی خدمت کرتے کرتے سفید کر لیے تھے۔ پہلی حقیقت تو یہ ہے کہ سر ظفر اللہ خان قادیانی مذہب کے علی الاعلان مبلغ تھے۔ یہ مذہب انگریز ۱۸۵۷ء کے بعد مسلمانوں کے جذبۂ جہاد کو ختم کرنے اور مسلمانوں کے بنیادی اور اجتماعی عقیدے ''ختم نبوت'' کو زک پہنچانے کے لیے وجود میں لائے تھے، جس کے پھیلاؤ کے لیے مرزا غلام احمد قادیانی سے نبوت کا اعلان کرا کے امت مسلمہ میں رخنہ ڈالنے کی کوششوں کی ابتداء ہوئی۔ حتیٰ کہ ایک وقت میں مرزا غلام احمد قادیانی کی دیدہ دلیری یہاں تک پہنچ گئی کہ اس نے

قادیانیوں کے سوا تمام عالم اسلام کے مسلمانوں کو کافر قرار دے ڈالا۔ مرزا قادیانی کے اس عقیدے پر عمل کرتے ہوئے سر ظفر اللہ خان نے ۱۹۴۸ء میں قائد اعظم محمد علی جناح کا جنازہ پڑھنے سے انکار کر دیا تھا، جن کی کابینہ میں وہ وزیر خارجہ تھے۔

یہ سر ظفر اللہ خان ہی تھے جنھوں نے تشکیل پاکستان سے پہلے خلافتِ عثمانیہ کی بربادی میں انگریزوں کے لیے خدمات پیش کیں۔ گول میز کانفرنسوں میں فرنگی وفاداری کے ایسے نذرانے پیش کیے کہ انھیں ''سر'' کے اعزاز سے سرفراز کیا گیا اور سیکرٹری آف سٹیٹ برائے ہند سر سیموئل ہور نے سر ظفر اللہ خان کی خدمات کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے توقع ظاہر کی کہ ''وہ مستقبل میں بھی برطانیہ سے اپنی وفاداریاں جاری رکھیں گے۔''

۱۹۳۵ء میں جب علامہ محمد اقبالؒ نے پنڈت نہرو کے جواب میں قادیانیوں کو اسلام اور ملک دونوں کا غدار قرار دیا تو اس کے ردّ عمل میں جب پنڈت نہرو لاہور آئے تو قادیانیوں نے ان کا شاندار استقبال کیا۔ انھی خدمات کا نتیجہ تھا کہ پنڈت نہرو نے برطانوی ہند کی طرف سے سر ظفر اللہ خان کا نام بین الاقوامی عدالت انصاف کی صدارت کے لیے پیش کر دیا۔ جس کی برطانوی حکومت نے بھی بھرپور تائید کی۔ یہ الگ بات ہے کہ آخری وقت میں امریکی حمایت پولینڈ کے پلڑے میں پڑنے سے سر ظفر اللہ خان کے لیے پنڈت نہرو کا یہ خواب شرمندۂ تعبیر ہونے سے رہ گیا۔ حالانکہ سر ظفر اللہ خان کے بقول نہرو کے ذہن میں سر ظفر اللہ خان کا نام ہندوستان کے مستقبل کے چیف جسٹس کے طور پر بھی تھا۔'' (تحدیثِ نعمت'' از سر ظفر اللہ خان)

جب مسلم لیگ نے ۳؍ جون ۱۹۴۷ء کو تقسیم پنجاب اور تقسیم بنگال کے منصوبے کی منظوری دے دی تو ۳۰؍ جون ۱۹۴۷ء کو سر ریڈ کلف کی سربراہی میں ایک حد بندی کمیشن عمل میں آیا۔ کمیشن کے پنجاب کے ارکان میں دو مسلمان جسٹس دین محمد اور جسٹس محمد منیر اور دو غیر مسلم مہر چند مہاجن اور جسٹس تیجا سنگھ شامل ہیں۔ سر ظفر اللہ خان بھی مسلم مشیر کی حیثیت سے قانون دانوں کی ایک جماعت کے ہمراہ شامل تھے۔ کمیشن کی کارروائی کے دوران ضلع کی بجائے تحصیل کی حد بندی اکائی کے طور پر منتخب کر کے سر ظفر اللہ خان نے اپنے قادیانی سربراہ مرزا بشیر الدین محمود کے حکم کی تعمیل کی۔ اسی بناء پر ممتاز مسلم لیگی رہنما میاں امیر الدین نے کہا تھا کہ ''سر ظفر اللہ خان کی تعیناتی مسلم لیگی قیادت کی فاش غلطی تھی۔'' اس سازش سے پٹھان کوٹ کی تحصیل مشرقی پنجاب کو ملنے سے ہندوستان کو جموں وکشمیر تک رسائی حاصل ہوگئی، جہاں ہندوستان سے پاکستان آنے والے دریائی پانی کا منبع تھا۔ پٹھان کوٹ ہندو اکثریتی تحصیل تھی جو ضلع گورداسپور میں شامل تھی جب کہ گورداسپور مسلمان اکثریتی آبادی کا ضلع تھا مگر سر ظفر اللہ خان نے یہاں ایک تیر سے دو شکار کیے۔ ایک یہ کہ کشمیر کو پلیٹ میں رکھ کر ہندوستان کو پیش کر دیا اور دوسرا قادیان کو جو ضلع گورداسپور کا قصبہ تھا، پاکستان میں شامل ہونے سے بچالیا، تاکہ مرزا بشیر الدین کے اکھنڈ بھارت الہام کے مطابق قادیان کا ہیڈ کوارٹر مستقبل میں پاک بھارت سرحدیں ختم کرنے میں اپنا کردار ادا کر سکے۔

پاکستان کے قیام کے بعد جب وزارتِ خارجہ کی باگ ڈور سر ظفر اللہ خان کے ہاتھ میں آئی تو پاکستان کی بیرونی سفارت خانے قادیانی مذہب کی تبلیغ کے مراکز بن کر رہ گئے۔ سر ظفر اللہ خان کی آشیر باد پا کر پاکستان میں قادیانیوں کی

تخریبی سرگرمیاں قانون کی حدود و قیود سے آزاد ہو گئیں، خود سر ظفر اللہ خان نے مئی ۱۹۵۲ء کو کراچی میں قادیانیوں کے ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے یہ در فنطنی چھوڑی کہ: ''احمدیت وہ پودا ہے جسے خدا نے اپنے ہاتھوں سے لگایا ہے اور یہ پودا اس قدر جڑیں پکڑ چکا ہے کہ جس سے اسلام کے تحفظ کی وہ ضمانت مہیا ہو گئی ہے، جس کا وعدہ قرآن میں ہے کہ اگر اس پودے کو ختم کر دیا گیا تو اسلام مزید زندہ نہیں رہ سکے گا بلکہ اس سوکھے ہوئے درخت کی طرح ہو جائے گا، جس کی دوسرے مذاہب پر کوئی قابل ذکر بالا دستی نہیں ہوگی۔'' (منیر انکوائری رپورٹ، صفحہ ۷۶)

سر ظفر اللہ خان کی اس تقریر نے مسلمانوں کے جذبات کو آگ لگا دی اور پاکستان بھر میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے اور سر ظفر اللہ خان کو وزارت خارجہ سے برطرف کرنے کے مطالبات نے زور پکڑ لیا۔ بالآخر ۱۹۵۳ء میں تحریک مقدس تحفظ ختم نبوت جاری ہوئی، جس میں اِنھی مطالبات کی منظوری کی خاطر دس ہزار سے زائد فدائیانِ ختم نبوت کے سینوں کو گولیوں سے چھلنی کر دیا گیا۔ ۱۹۵۴ء میں روس کے اثرات کو فروغ کو روکنے کے لیے امریکہ نے ایک علاقائی فوجی اتحاد ''سیٹو'' بنایا۔ اس اتحادی معاہدے پر ظفر اللہ خان نے نہ صرف حکومتِ پاکستان کو اعتماد میں لیے بغیر دستخط کر دیئے بلکہ ایم ایس وینکٹے رامانی کے بقول: ''برطانوی'' امریکی دباؤ کے تحت سر ظفر اللہ خان حالات کو واپس اس ڈگر پر لے آئے کہ پاکستان کے لیے ''سیٹو'' کو قبول کرنے کے سوا کوئی چارۂ کار نہ رہا......'' (پاکستان میں امریکہ کا کردار'' ص ۲۳۸)......اسی طرح سر ظفر اللہ نے ''سینٹو'' پر بھی دستخط کر کے پاکستان کو امریکہ کی کالونی بنا دینے میں کوئی کسر نہ چھوڑی، سر ظفر اللہ خان جیسے افراد کی بنائی ہوئی ملک دشمنی خارجہ پالیسیوں کے نتیجے میں سوویت یونین پاکستان کا جانی دشمن بن گیا اور پاکستان میں امریکی مداخلت کا رستہ کھل گیا، جس کے واضح اثرات اس خطے میں روز بروز بڑھتے ہوئے امریکی اثر و نفوذ کی صورت میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ امریکہ کا اتحادی ملک بننے کا جو اعزاز ہمیں ''سیٹو اور سینٹو'' کے معاہدوں کی بدولت سر ظفر اللہ خان نے دلوایا تھا، آج ان کے اثرات و نتائج نیٹو کے اتحادی ہونے پر پاکستان کو بھگتنا پڑ رہے ہیں اور پاکستان آج امریکہ کے نرغے میں ہے اور ہمارے ایٹمی ہتھیاروں پر امریکی استعمار کی منحوس نظریں گڑی ہوئی ہیں۔ پاکستان امریکی غلامی کی جس دلدل میں پھنسا دیا گیا ہے۔ یہ دراصل سر ظفر اللہ خان جیسے ہمارے ''محسنوں'' کی ''خدمات'' اور ان کے ''احسانات'' کے ثمرات ہیں۔ ان روزِ روشن کی طرح صاف اور بین حقائق کے باوجود جناب خالد حسن، سر ظفر اللہ خان کے متعلق لکھتے ہیں کہ: ''اس قوم کو ابھی یہ توفیق نہیں ملی کہ جو اس کے اصل ہیرو ہیں، ان کا تشکر ادا کرے اور ان کی خدمات و احسانات تسلیم کرے، کیا اس ملک میں ایسا کبھی ہوگا؟'' انسان صرف سوچ سکتا ہے۔ تُف ہے ایسی دانشوری پر کہ جو دوست اور دشمن کی تمیز سے ہی محروم ہو۔ وہ اقبال کی زبان میں اپنے نادان دوستوں سے کہہ رہی ہے:

میں نے تو کیا پردۂ اسرار کو بھی چاک
دیرینہ ہے تیرا مرضِ کور نگاہی